میاں محمد اویس:

قائد احرار سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ

مجلس احرار اسلام اور خانوادۂ امیر شریعت سے میرا اور میرے خاندان کا تعلق بہت قدیم ہے۔ میرے دادا میاں محمد رفیق نے ۱۹۴۶ء میں احرار کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا اور کامیاب ہوئے اور ان کے بڑے بھائی جناب میاں قمر الدین رئیس اچھرہ کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ احرار کا بنک کہا کرتے تھے۔ وہ مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ کے خازن بھی تھے اور سرپرست بھی۔ مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو جب بھی مالی امداد کی ضرورت محسوس ہوئی میاں قمر الدین اور ان کے خاندان نے ہمیشہ مالی اعانت کے کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نانا جی میاں محمد اسلم جان مجددی جو عالم دین اور صاحب تقویٰ بزرگ ہیں، آج بھی اپنے بزرگوں کی اس روایت کو نبھا رہے ہیں۔

مجلس احرار اسلام کی طرف سے قادیان میں اپنا مستقل مرکز قائم کرنے کا اعلان ہوا تو اچھرہ سے تین بزرگ، میاں قمر الدین صاحب، میاں محمد اسلم جان اور سید امیر شاہ قادیان میں مسجد کی جگہ خرید نے کیلئے پہنچے۔ تب قادیان میں مولانا عنایت اللہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ بطور مبلغ مجلس احرار کی طرف سے متعین تھے۔ انہوں نے ان بزرگوں کا استقبال کیا۔ ان حضرات نے ایک سکھ سے مسجد و مدرسہ کیلئے زمین خریدی۔ یہ کام اتنی خاموشی اور رازداری سے ہوا کہ کسی قادیانی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور تینوں حضرات واپس اچھرہ پہنچ گئے۔ اگلے دن قادیانیوں کے اخبار "الفضل" نے صرف اتنی خبر لگائی کہ لاہور سے تین آدمی قادیان کی سیر کیلئے آئے تھے۔

مجلس احرار اسلام اور خانوادۂ امیر شریعتؒ سے محبت مجھے اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی۔ میرے گھر میں شاہ جیؒ اور مجلس احرار کے تذکرے اکثر ہوا کرتے۔ میں نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو نہیں دیکھا لیکن شاہ جی نے جس خلوص اور لگن کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد کی اور انگریزی نبی گامے مردود کے دجل و فریب کو عوام الناس کے سامنے ننگا کی..... یقیناً اسی کا اثر ہے کہ میں جب بھی شاہ جی کی باتیں سنتا ہوں دل و دماغ میں ایک نیا جذبہ، جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ دین پر کٹ مرنے کی امنگ اور حوصلہ ابھرتا ہے۔ بچپن میں میں دیکھا کرتا کہ میرے دادا میاں محمد رفیق صاحب کی الماری میں حضرت امیر شریعت کی تصویر رکھی ہے۔ دادا جان جب بھی الماری کھولتے تو تصویر دیکھ کر یوں لگتا جیسے کوئی شخص مجھے گھور رہا ہو۔ میرا رواں رواں ان کے رعب و دبدبہ کا اسیر ہو جاتا۔

۱۹۷۵ء میں میرے دادا جان کا انتقال ہو گیا۔ اب مجھے والد محترم میاں محمد شفیع احمد (کہ جن کا بچپن حضرت امیر شریعتؒ کی گود میں گزرا) کی زبانی شاہ جی کے حالات و واقعات سننے کو ملتے۔ دل میں امنگ پیدا ہوتی کہ کاش میں بھی ان کو دیکھ پاتا۔ مگر شاہ جی تو میری پیدائش سے بھی تین سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ کے تذکروں کے ساتھ اکثر ایک اور نام سنتا، اور وہ نام حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ کا تھا جنہیں اکثر لوگ "حافظ جی" یا "بڑے شاہ جی" کے لقب سے یاد کرتے۔ میری تمنا تھی میں انہیں دیکھوں اور ان کی علمی مجالس سے فیض یاب ہوں۔

میرے والد صاحب ڈیرہ غازیخان میں ایک بزرگ حضرت علی الرتضیٰ سے بیعت تھے، جو اپنے وقت کے ولی اللہ تھے وہ التزاماً ان کے پاس جایا کرتے۔ یہ ۱۹۸۴ء کی بات ہے کہ والد صاحب نے اپنے شیخ کے پاس ڈیرہ غازیخان جانے کا پروگرام بنایا تو میں بھی ان کے ہمراہ ہو گیا۔ واپسی پر ارادہ تھا کہ جانشین امیر شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی جائے۔ چنانچہ واپسی پر ہم ملتان "بڑے شاہ جی" کی جائے قیام محلہ ٹبی شیر خاں پہنچے۔ جب ہم تانگے پر بیٹھ کر محلہ ٹبی شیر خاں کی طرف جا رہے تھے تو ساری راہ میں سوچ رہا تھا کہ جانشین امیر شریعت کیسے ہونگے۔ ان کا نین نقش کیسا ہو گا۔ کیا وہ بھی اپنے والد گرامی کی ہوبہو تصویر ہوں گے؟ انہی سوچوں میں مگن تھا کہ کوچوان کی آواز کانوں سے ٹکرائی "سائیں! چوک برف خانہ آ گیا ہے" میں خیالات کی دنیا سے واپس پلٹا۔ ہم "حافظ جی" کے مکان پر پہنچے تو اس وقت شاہ جی نوافل ادا کرنے کے بعد وظائف و اوراد میں مشغول تھے۔ میں نے خیالات میں شاہ جی کی جو تصویر بنائی آپ ہوبہو وہی تھے، میں نے نظر کی پہلی ساعت میں ہی فیصلہ کر لیا کہ اب اس در کو نہ چھوڑوں گا۔ میں نے عزم کیا کہ جب تک زندگی ہے شاہ جی کی راہنمائی میں گزارنی ہے۔

میں اپنی زندگی کی ۳۴ بہاریں دیکھ چکا ہوں۔ اپنی ہوش کی آنکھ کھولنے سے لیکر اب تک بہت سی شخصیات کو دیکھا ہے مگر شاہ جی جیسی کوئی اور شخصیت میری نظر سے نہیں گزری۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مجموعہ کمالات بنایا تھا۔ شاہ جی جہاں علم کے سمندر اور عمل کے کوہ گراں تھے وہاں اللہ نے اُنہیں مردانہ حسن و جمال بھی عطا کیا تھا۔ ان کی ہر ادا سے ایک قرینہ ٹپکتا، طہارت و پاکیزگی ان کا خاص وصف تھا۔ کھانے پینے کے معاملہ میں بھی بڑے باذوق اور نفیس طبع واقع ہوئے تھے۔

۱۹۸۵ء میں مارشل لاء کے اختتام کے بعد جب تمام جماعتوں سے پابندی اٹھائی گئی تو شاہ جی لاہور تشریف لائے اور مجلس احرار اسلام لاہور کا اپنی نگرانی میں انتخاب کرایا۔ مجھے اس انتخاب میں نائب ناظم مجلس احرار اسلام لاہور نامزد کیا گیا۔ تب لاہور میں جماعت کا کام نہ ہونے کے برابر تھا۔ دفتر احرار میں شاہ جی کے دروس قرآن مجید کا باقاعدہ ماہانہ سلسلہ شروع ہوا۔ جماعت کے کام کو بڑھانے کیلئے میں نے اپنے گھر میں شاہ جی کا درس قرآن رکھا۔ شاہ جی کا گلبرگ میں یہ پہلا درس قرآن تھا۔ پروگرام کے مطابق شاہ جی ہمارے گھر تشریف لائے۔ ان دنوں مہمان خانے سے متصل باتھ روم میں فلش کی بجائے کموڈ لگا ہوا تھا۔ شاہ جی نے اس روز درس میں آغاز ہی بیت الخلا کی شرعی حیثیت سے کیا اور قریباً آدھ گھنٹہ صرف بیت الخلا کے استعمال پر قرآن و حدیث کے حوالہ سے بیان فرمایا۔ درس کے اختتام میرے دوست مجھ سے مذاق کرنے لگے کہ بیت الخلا کے علاوہ شاہ جی کو کچھ اور بھی آتا ہے؟ میں نے کہا نہیں بھائی! ایسی بات نہیں کوئی اور مولوی ہوتا تو صرف پانچ چھے منٹ اس اہم مسئلہ پر بیان کرتا۔ شاہ جی نے پورا آدھ گھنٹہ اس پر بیان کیا ہے۔ جو شخص ہمیں اس قدر تفصیل سے بیت الخلا کی شرعی حیثیت سمجھا سکتا ہے اس کے علم کے کیا کہنے۔

شاہ جی کا اصل موضوع سیرت صحابہ ہوا کرتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس کو سیرت النبی اور سیرت الصحابہ پر اتنا عبور ہو۔ ہم نے جب بھی شاہ جی سے صحابہ کے متعلق اپنے تئیں مشکل سے مشکل سوال کیا، انہوں نے اس کا جواب اس طرح دیا جیسے وہ کھلی کتاب پڑھ رہے ہوں۔ وہ دقیق

سے دقیق مسئلہ بھی چند منٹوں میں بتادیا کرتے تھے۔

نوجوانوں پر شاہ جی خاص طور پر شفقت فرماتے اور ان کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتے جیسے وہ انہی میں سے ہوں۔ میں اکثر ان کے پاس ملتان حاضر ہوتا تو میرا بہت خیال کرتے۔ میں جس قسم کا بھی سوال کرتا وہ اسکا ضرور جواب دیتے۔ واپسی کیلئے اجازت چاہتا تو ایک آدھ دن اور رکنے کا کہتے۔

کہتے...... "اویس میاں، کچھ دیر اور ٹھہر جاؤ کل چلے جانا۔" میں انہیں اپنی مجبوری بتاتا تو اجازت مرحمت فرما دیتے۔ آخری دفعہ جب میں ان سے ملنے ملتان گیا تو شاہ جی نشتر ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ فالج کے اٹیک کی وجہ سے بولنے میں دشواری پیش آرہی تھی.....انہی دنوں والد محترم کا انتقال ہوچکا تھا جس کی اطلاع شاہ جی کو بھی ہو چکی تھی، شاہ جی اس روز مجھے سینے سے لگا کر بہت روئے اور تعزیت کی۔ کچھ اور نوجوان بھی شاہ جی کی عیادت کو آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر شاہ جی [illegible] کی باتوں کے جواب اس طرح دینے لگے کہ گویا کوئی بیماری ہی نہیں۔

خطابت شاہ جی کو وراثت میں ملی تھی۔ بیان میں سمندر کی لہروں جیسی روانی ہوا کرتی۔ شاہ جی ان عام مقرروں کی طرح نہیں تھے جو رٹی رٹائی تقریریں کیا کرتے ہیں۔ بلکہ میں نے اکثر تقریر سے قبل مطالعہ کرتے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیان میں علم ہوتا۔ ایسی ایسی معلومات ہوتیں کہ انسان دنگ رہ جاتا.... بات کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے کہ سننے والے کو سمجھ بھی آجائے اور گراں بھی نہ گزرے۔ سیرت رسول ﷺ سیرت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حکومت الٰہیہ.....ان کے موضوعات ہوا کرتے۔ انداز خطابت نرا مبلغانہ تھا نہ نرا واعظانہ۔ کبھی ہنساتے، کبھی رلاتے، سننے والا کبھی اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتا انہی کا شعر ہے

ساز وجداں سے سنو نغمہ عرفان ویقیں
یہ وہ نغمے نہیں جو تم کو ربابوں میں ملیں

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو شاہ جی ہمیں روتا ہوا چھوڑ کر بہت دور چلے گئے کہ جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شاہ جی کی ساری زندگی اتباع رسول ﷺ میں گزری، ہمیں منصب صحابہ کا ادراک نہیں تھا، شاہ جی نے منصب صحابہ ہمیں بتایا، سمجھایا اور یاد کرایا۔ شاہ جی نے ساری عمر قوم کو کمیونزم، سرمایہ دارانہ نظام اور جمہوریت کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کیا اور ہمیں بتایا کہ حکومت الٰہیہ کا قیام کس طرح ممکن ہوگا...... آج شاہ جی کو اس دنیائے فانی سے کوچ کئے ۲ برس بیت گئے اور لوگ پکار پکار کر شاہ جی کی تصدیق کر رہے ہیں۔ آخر میں شاہ جی کے ایک پیغام پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں

شاہ جی نے فرمایا:

"کامیاب وہ ہے جس نے اپنا مشن نہیں چھوڑا کامیاب وہ ہے جو مقصد کیلئے جان دیدے، کامیاب وہ ہے جو غداروں سے روشناسی کے لیئے قوم کو بروقت بیدار کردے، کامیاب وہ ہے جو نونہالان وطن کو حقیقت کا راستہ بتائے، کامیاب وہ ہے جو محمد رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے تحفظ کیلئے مرتے دم تک اس کے ساتھ وابستہ رہے وہ کامیاب ہے ل۔